مُلاقات ایک سخنور سے:

اِن نام نہاد شہ خرچیوں کا ذِکر تو اِن لمحوں بے سود ہو گا لیکن اِس سلسلے میں جدید اُردو اَدب کی ایک حسین شخصیت سے ہماری مُلاقات کا تذکرہ ہو جائے تو بہتر ہو گا۔ ہوا یوں کہ ہمارے دفتر کے پڑوس میں واقع پاکستان ٹیلی کمیونیکیشنز کی عمارت میں ایک تقریب کے اِختتام پر سلمان فاروقی صاحب نے ہمیں بتایا کہ تھوڑی دیر میں آپ کے پاس پاکستان کسٹمز گروپ کی ایک خاتون اَفسر تشریف لائیں گی جو وہاں اٹھارویں گریڈ میں کام کرتی ہیں۔ اُنہیں بتا دیجئے کہ بحیثیتِ سیکرٹری پوسٹل کارپوریشن اُنکی کیا ذمہ داریاں ہونگی۔

''لیکن سیکرٹری کی تعیناتی تو آپ نے محض دو روز قبل کر دی ہے اور وہ عُہدہ انیسویں گریڈ کا ہے'' ہم بولے۔ ''تو پھر کیا ہوا ہم اس خاتون کو نائب سیکرٹری لگا دیں گے''۔ ہمارے سکرٹری مواصلات اور چیئرمین پوسٹل کارپوریشن فرمانے لگے۔ ''لیکن جناب ایسی کسی پوسٹ کا تو کارپوریشن میں وجود ہی نہیں ہے''۔ ہم نے دھیمے الفاظ میں اُنہیں مطلع کرنے کی کوشش کی۔ ''اُس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر وہ نابغۂ روزگار خاتون رضامند ہو جائے تو یہ عُہدہ بنالیں گے''۔ واضح رہے کہ اُن دِنوں اَفرادی طاقت کے متعلق اُمور ہماری ذمہ داری تھی۔ اور سلمان فاروقی صاحب کا تعلق کسٹمز گروپ سے رہ چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحبۂ جلال و جمال ہمارے دروازے پر دستک دے رہی تھیں۔ ہم نے اُنہیں تشریف رکھنے کے لیے کہا تو اُنہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنا نام پروین شاکر بتایا۔ ''اَرے تو آپ پاکستان کی وہ معروف اُردو شاعرہ ہیں؟''۔ ہم نے پوچھا۔ فرمانے لگیں ''ہاں جی! لیکن اِس وقت تو ہم بحیثیتِ سکریٹری کارپوریشن اپنے لیے دی جانے والی مُراعات اور سہولیات کے بارے میں معلومات لینے آئی ہیں''۔ ہم نے جب اُنہیں حقیقتِ حال بتائی کہ ابھی تک تو سیکرٹری کارپوریشن کی مُراعات و سہولیات کے مُتعلق فیصلہ نہیں ہوا اور آپ کو تو بحیثیت نائب معتمد تعینات کرنے کی بات ہو رہی ہے تو قدرتی طور پر اُن کی طبع نازک پر ایسی بات گراں گذری اور یکدم ''شکریہ'' کہتے ہوئے وہ اپنی نشست سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہماری ایسی غیر شاعرانہ حرکت سے کارپوریشن کے مالی بوجھ میں تو کچھ کمی آئی ہو گی لیکن یاروں کی تنقید کا نشانہ ہم فوراً بن گئے۔

لینے کے دینے پڑ گئے:

وفاقی کابینہ کے سامنے جب کارپوریشن اپنے ریٹس بڑھانے کی اجازت کے سلسلے میں حاضر ہوئی تا کہ ہونے والے خسارے کوختم کیا جاسکے تو وزیرِاعظم صاحبہ نے پوچھا۔''پوسٹ آفس کو کارپوریشن کس نے بنایا؟''۔ جوں ہی اُنہیں بتایا گیا کہ یہ حرکت اُن کے معزز پیشرو کی ہے تو اُنہوں نے فوراً اِس کو توڑنے اور سابقہ صورتِ حال بحال کرنے کے احکامات صادر فرمادیئے اور ساتھ ہی اِدارے کا خصوصی آڈٹ کرانے کا کام آڈیٹر جنرل کے سُپرد کردیا جنہیں اگلے اِجلاس میں رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ اگلی پیشی کا وقت آیا تو ہمیں بحیثیتِ قائم مقام چیرمین کے اپنے نئے سیکرٹری مواصلات شیر خان صاحب کے ہمراہ کابینہ کے اِجلاس میں اِدارے کا دفاع کرنے کے لیے حاضر ہونا پڑا۔ اِتفاق سے وزیرِ مواصلات کی آسامی خالی تھی اور وزارت کا قلمدان وزیرِاعظم نے خود ہی سنبھالا ہوا تھا۔ اِجلاس شروع ہوا تو کمیٹی روم کے باہر مختلف امور سے متعلقہ اعلیٰ عُہدیداران اپنی اپنی باری کے اِنتظار میں خاموش اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے بیٹھے تھے۔ کہ اِتنے میں وزیرِاعظم کے شوہرِ نامدار باہر تشریف لائے۔ سب حضرات نے اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھ کر اُن کی پذیرائی کی۔ زرداری صاحب نے سب حاضرین سے فرداً فرداً مصافحہ کیا اور خیریت پوچھی پھر ایک نشست پر بیٹھتے ہوئے ایک سگریٹ سُلگاتے ہوئے اِردگرد نگاہ دوڑائی اور فرمانے لگے۔''کیڈٹ کالج میں ہمارا ابھی جب کوئی اِنٹرویو ہوتا تھا تو ہم سب دوست یوں ہی دھڑکتے دِلوں کے ساتھ اوپر چھت پر نظریں جمائے زبان بندی کی مشق کیا کرتے تھے۔ ارے کوئی تو بولے۔ کچھ گپ شپ ہونی چاہیئے''۔ سب حاضرین نے بناوٹی مسکراہٹوں کے ساتھ اِس فراخدلانہ پیش کش کا خیر مقدم کیا۔ شیر خان صاحب نے سرگوشی میں ہم سے کارپوریشن خسارے کی اصل رقم کے بارے میں پوچھا۔

ہم دونوں کابینہ کے کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے کی دیوار پر سابقہ وزرائے اعظم کی بڑی بڑی تصویریں آویزاں نظر آئیں۔ طویل بیضوی میز کے عین درمیان میں اُس وقت اُس ناپائیدار کُرسی پر مُلک کی جواں سال قائد اور دُنیائے اسلام کی پہلی خاتون وزیرِاعظم تشریف فرما تھیں۔ آڈیٹر جنرل کو پاکستان پوسٹ کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرنے کے لیے کہا گیا۔ تو اُنہوں نے اَسی (80) ملین روپے سے زیادہ کا خسارہ بتایا۔ وزیرِاعظم تو اپنی کُرسی پر گویا اُچھل پڑیں۔ شیر خان صاحب نے ہمت

سے کام لیتے ہوئے آڈیٹر جنرل کی تردید کرتے ہوئے بتایا ''محترمہ وزیراعظم ! یہ خسارہ دراصل صرف چالیس میلین روپے ہے''۔ ''پھر کیا ہوا۔ جتنا بھی ہو۔ کارپوریشن کے خاتمے کا فیصلہ ہو چکا ہے'' اُنھوں نے اپنا حتمی فیصلہ سُناتے ہوئے اپنے ایک ہاتھ سے اپنی کُرسی کا ایک بازو پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے آنچل کا پہلو درست کرنے کی مشرقی رِوایت کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ اور یوں پاکستان پوسٹل سروسز کارپوریشن کے تجربے کو رقیبانِ بداندیش کی نظر لگ گئی۔ یہ کارپوریشن جولائی 1992 سے جون 1996 تک اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتی رہی۔

اِس دور میں کارپوریشن یا شرکتِ خصوصی نے کئی اہم کام بھی کیے اور متعدد جی دار فیصلے بھی ہوئے۔ ان سب کی تفصیل ہماری اِدارت میں چھپنے والے دو جریدوں ''پاک پوسٹ'' اور پوسٹ نیوز'' میں باقاعدہ شائع ہوتی رہی۔ یہ جرائد سال 1992ء سے ہماری ملازمت سے ریٹائرمنٹ 2004ء تک چھپتے رہے۔ ابتداءً ''پاک پوسٹ'' ہر چھ ماہ بعد اور ''پوسٹ نیوز'' ہر ماہ نکلتا رہا۔ اول الذکر میں پیشہ ورانہ امور کے متعلق مضامین شائع ہوتے تھے جب کہ آخرالذکر میں ادارے میں پیش آنے والے واقعات منظرِ عام پر آتے رہتے تھے۔ ہم دونوں جرائد کے مُدیرِ اعلیٰ تھے جبکہ فضلِ ستار خان فضلی، میجر عبدالحمید، محمد اسماعیل اور عبدالمجید وقتاً فوقتاً ہماری معاونت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ہمارے رفقاء کی محنت شاقہ کے بدولت دونوں جریدوں کا معیار خصوصی طور پر قابلِ ستائش رہا۔ ''پاک پوسٹ'' کا اِداریہ لکھنا ہم نے خصوصی طور پر اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ دونوں رسالوں کی زبان انگریزی تھی لیکن اِن میں کبھی کبھار اُردو میں لکھے ہوئے شہ پارے بھی شامل کر دیئے جاتے تھے جو کچھ کارکنانِ ڈاک کا طُرہّ اِمتیاز تھا۔